

بدگمانی کیا ہے، اس سے کیسے بچیں؟

— ۲ —
www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

بدگمانی کے نفسیاتی اسباب

اس فصل میں ہم ان نفسیاتی محرکات کا ذکر کریں گے، جو ہمیں بدگمانی پر ابھارتے ہیں۔ ان محرکات کو جان کر ہمیں یہ فائدہ ہوگا کہ ہم یہ سمجھ سکیں گے کہ ہمارے گمان کس قدر خود ساختہ ہوتے ہیں اور ان کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

دوسرے یہ کہ ہم ان مواقع سے بھی واقف ہو جائیں گے، جن میں ہم گمانوں کا شکار ہوتے ہیں۔ یہ واقفیت ہمیں ان مواقع پر خبردار کرے گی، جس کی وجہ سے ہم چوکنے ہو کر گمانوں سے بچ سکیں گے۔

ذہن کی فعالیت

یہ انسانی ذہن کا خاصہ ہے کہ وہ سوچتا ہے۔ اس کی سوچ کے دائروں میں سب سے مرغوب عمل چیزوں کو سبب اور مسبب، چھوٹے اور بڑے، اصل اور فرع اور اس طرح کے کئی رشتوں میں جوڑنا ہے۔ دنیا کا ہر انسان چیزوں کے

ماہین یہ رشتے بناتا اور توڑتا رہتا ہے۔ اگر آدمی کی سوچیں بلند نہ ہوں تو پھر وہ حقیر اور فضول چیزوں میں یہی کام کرے گا۔ مثلاً فلم بین فلمی کہانیوں پر اس طرح کی گفتگو اپنے اور اپنے دوستوں کے ساتھ کرتا رہے گا۔ اور اگر آدمی عام دنیوی امور جیسے کاروبار یا گھر چلانے جیسی عملی سوچیں بھی نہ رکھتا ہو، تو پھر اس کا ذہن لوگوں کے محرکات و اعمال کی سوچوں میں گم رہے گا۔ ان کے جملوں، تبصروں اور حرکات و سکنات پر وہ یہ عمل کرتا رہے گا۔ چنانچہ اس کی سوچوں کا محور یہ گمان ہوں گے۔ وہ ہر عمل کا سبب ڈھونڈے گا، وہ اس کے محرکات تک پہنچے گا اور پھر ان گمانوں پر اپنے ذہن رسا کو داد دے گا کہ میں نے یہ بہت اعلیٰ نتیجہ نکالا ہے۔ اور خود ہی بلا ثبوت دوسروں کو مجرم بناتا رہے گا۔

یہاں یہ واضح رہے کہ محض جسمانی کام ذہن کو ان سوچوں سے نہیں روکتا۔ آپ گاڑی چلا رہے ہوں، کھانا پکا رہے ہوں، یا کچھ اور اس طرح کا کام جس میں ذہن کا استعمال محض سرسری سا ہو تو ذہن ایسے کاموں کے موقع پر بھی چلتا رہتا ہے۔ اور آپ کہانیوں پر کہانیاں سوچتے چلے جاتے ہیں۔ ذہن کو یہ صلاحیت اللہ تعالیٰ نے تخلیقی عمل کے لیے دی ہے۔ ہم تجربات کریں، حقائق کو جانیں ان پر غور کریں اور سبب اور مسبب کے رشتے تلاش کرتے کرتے خدا کو دریافت کریں، خدا کی اس کائنات میں سے اپنے لیے مفید مطلب چیزیں اور اصول ڈھونڈیں، جو ہمارے لیے نور اور روشنی بنیں، اور ہم خدا کو پہچان سکیں اور اس دنیا کی حقیقت جان سکیں۔ لیکن ہم اپنی اس صلاحیت کو نہایت ہی چھوٹی چھوٹی چیزوں میں صرف کر کے ضائع کر دیتے ہیں۔

ان صلاحیتوں کو صحیح رخ پر لگانے کے لیے ہمیں کیا کچھ کرنا چاہیے وہ ہم بدگمانی سے بچنے کے طریقوں پر گفتگو کرتے ہوئے بتائیں گے۔ یہاں بس اتنا جان لیجیے کہ اللہ نے آپ کو ایک تیز، باصلاحیت ذہن دیا ہے، جسے آپ کو اعلیٰ اور مفید کاموں میں صرف کرنا چاہیے۔

دماغ کی اسی فعالیت کا ایک دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ چونکہ اللہ نے ہمیں اس طرح سے بنایا ہے کہ ہم تجربات سے اپنے علم میں اضافہ کرتے ہیں، پھر ان اضافوں کا ہمارا ذہن تجزیہ کرتا اور ان کے اصول بناتا ہے کہ یہ اس وجہ سے ہوا اور وہ اس وجہ سے وغیرہ۔ چنانچہ ایک ہی ماں کے گھر پیدا ہونے والے بچے اپنے تجربات کے مختلف ہونے کی وجہ سے مختلف چیزیں سیکھتے چلے جاتے ہیں۔ ذہن جو کچھ سیکھتا ہے، پھر اسی کے مطابق ہمیں مشورے دیتا ہے۔ مثلاً موٹر مکینک کی گاڑی خراب ہو تو اس کا ذہن اسے کچھ اور بتائے گا اور ہمارا ذہن ہمیں کچھ اور۔ ٹھیک ایسے ہی خدا سے اچھی طرح واقف اور اس کی صفات اور سنن کو جاننے والے کا ذہن رنج و غم میں اور طرح سے چلے گا اور ان چیزوں سے ناواقف آدمی کا ذہن اور طرح سے۔

میں نے یہ بات اس لیے کی ہے کہ بدگمانی کرنے والے کا ذہن اور طرح سے چلے گا اور بدگمانی نہ کرنے والے کا ذہن کچھ اور طرح سے۔ چنانچہ بدگمانی کرنے والے نے اپنے گمانوں کے ذریعے سے جو ذہن دوسروں کے بارے میں بنا رکھا ہوگا وہ اس کے مطابق آپ کو رویہ اپنانے کا مشورہ دے گا۔ اگر آپ نے اس کے بارے میں کوئی برا گمان کر رکھا ہے تو مثلاً ہو سکتا ہے کہ آپ اس سے خندہ پیشانی سے نہ ملیں۔ اس لیے کہ آپ کے گمانوں نے آپ کے دل کو اس کے بارے میں میلا کر رکھا ہوگا۔ اس لیے ضروری ہے کہ اپنے ذہن کی اس فعالیت کو قابو میں رکھا جائے۔ اور خواہ مخواہ، بلا بنیاد اور اپنے ہی خیالات پر مبنی آراء دوسروں کے بارے میں قائم نہ کریں اور نہ ذہن کو ایسے کاموں میں فعال ہونے دیں ورنہ وہ اسی سمت میں چلتا رہے گا۔ اور آپ کے اخلاق پر اثر انداز ہو کر آپ کو جہنمی بنا دے گا۔

نقصان اٹھانے کا رنج و غصہ

گمان کے نفسیاتی محرکات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آدمی دوسروں کے بارے میں اس وقت بدگمانی کرتا ہے، جب اسے ان سے نقصان پہنچے اور وہ غم و غصہ کا شکار ہوئے غم اور غصہ ایک عام سی چیز ہے۔ مگر نفس کا شیطان اس غم و غصہ کی تسکین کے لیے ہمیں اس شخص کے بارے میں سوچنے پر ابھارتا ہے۔ ہم دل ہی دل میں اس کے فعل کے محرکات کو متعین کرنے لگ جاتے ہیں۔

چونکہ ہم غصہ میں اور اپنے نقصان پر غم زدہ ہوتے ہیں، اس لیے عموماً اسی غم و غصہ کے تحت رائے بنا لیتے ہیں۔ حالانکہ اس بات کا پورا امکان ہوتا ہے کہ اس شخص نے وہ کام اس محرک کے تحت نہ کیا ہو۔ ہم ایک مثال لیتے ہیں۔ عام طور سے اگر کسی سے ہمارا نقصان ہو جائے تو ہم اسے ایک انسانی غلطی ماننے کے بجائے فوراً یہ تبصرہ دل میں یا کسی کے سامنے ضرور کر دیتے ہیں کہ میرا پیسا تھا اسے اس کی کیا پروا! یہ بظاہر ایک بے ضرر معمولی سا تبصرہ ہے، مگر حقیقت میں دیکھیں تو یہ ایک بدگمانی ہے۔ اس کے اثرات سنگین ہیں۔ یہ آپ کے اگلے رویوں کو متعین کر دے گا۔ یہ بات آپ کو اس وقت تک نہیں کہنی چاہیے جب تک آپ کو اس کی باتوں اور اس کے عمل سے معلوم نہ ہو جائے کہ یہ غلطی اس نے بشری کمزوری کی وجہ سے نہیں، بلکہ اس وجہ سے کی ہے کہ یہ پیسا اس کا نہیں آپ کا تھا اور اپنے پیسے کے بارے میں وہ قطعی ایسا نہ کرتا۔

یہ نقصان اور رنج ہی سے پیدا ہوتا ہے، مگر یہ نقصان مال اور پیسے کا نہیں، بلکہ یہ وہ نقصان ہے جو آپ کی شخصیت کو لاحق ہوتا ہے۔ کوئی آپ سے آگے بڑھ رہا ہے، کوئی آپ سے جیت رہا ہے۔ کوئی آپ سے زیادہ اچھا سمجھا جاتا ہے، کوئی خوب صورت زیادہ ہے۔ غرض بہت سارے پہلو ایسے ہیں، جن میں آپ حسد کا شکار ہوتے ہیں۔ یہ حسد بدگمانی پیدا کرنے میں سب سے زیادہ موثر شیطان ہے۔ یہ نیک سے نیک آدمی کے بارے میں آپ کی رائے بگاڑ کر رکھ دے گا۔ اس کی ہر کامیابی کو آپ اپنے خلاف ایک سازش سمجھنے لگیں گے۔ یا اس کی کامیابی کو اس کی چال بازی کا مرہون منت قرار دیں گے۔ کبھی دوسروں کے بارے میں جو اس شخص کو پسند کرتے ہیں، کوئی منفی تبصرہ کر دیں گے۔

یہ باتیں حسد کی صورت میں آپ کے دل کو سکون پہنچائیں گی۔ آپ ایسا سوچ کر دراصل اسے اپنی نظروں میں اس مقام سے گرائیں گے، جو اسے دنیا میں ملا، اس طرح آپ نے اپنے لیے جھوٹی تسکین حاصل کر لی۔ لیکن درحقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہوا کہ آپ نے اس کے بارے میں کچھ گمان اور خیال دل ہی دل میں باندھے ہیں۔ ایک طرف آپ ایک رنج کا شکار ہوئے ہیں اور دوسری طرف آپ بدگمانی سے خدا کی نظروں میں برے بن رہے ہیں۔ حسد اگر ان چیزوں میں پیدا ہوا جو دوسرے شخص کو اللہ نے دی ہیں تو اس میں اس شخص کا کوئی قصور نہیں ہے۔ مثلاً بولنے کی صلاحیت، شکل و صورت، خاندان، قد کاٹھ اور دولت وغیرہ۔ اگر وہ چیزیں ایسی ہیں جو اس نے اپنی محنت سے کمائی ہیں تو اس میں ضروری نہیں ہے کہ آپ کو نقصان پہنچانے کے لیے ایسا کیا ہو۔ آپ کے لیے ان چیزوں میں جو اس نے اپنی محنت سے کمائی ہیں، دو طرح کی ہوں گی۔ ایک وہ جنہیں آپ بھی حاصل کر سکتے ہیں، اور دوسرے وہ جنہیں آپ حاصل نہیں کر سکتے۔

چنانچہ جو چیزیں آپ حاصل کر سکتے ہیں اسے حسد کا شکار ہوئے بغیر حاصل کریں، اور وہ چیزیں جو آپ حاصل نہیں کر سکتے تو کیا ہوا اس کے لیے بھی بہت سی ایسی چیزیں ہوں گی جو اللہ نے آپ کو دی ہوں گی، مگر اس کے پاس نہیں ہوں گی۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ ان چیزوں میں ترقی کریں، جو اللہ نے آپ کو دی ہیں اور اس کا حسد ترک کر دیں۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ آپ یہ جائزہ لیں کہ کہیں آپ نے مقابلے کا میدان تو غلط متعین نہیں کر لیا ہے۔ یعنی جس سے آپ حسد کر رہے ہیں، وہ میدان تجارت کی صلاحیتیں لے کر پیدا ہوا، مگر آپ میدان سیاست کے آدمی تھے، لیکن تجارت کے میدان میں قوت آزمائی کرنے لگے ہیں، تو جان لیجیے کہ آپ کبھی اس کے مقابلے میں پورے نہیں اتر سکتے۔ اس صورت میں آپ کو اپنی شخصیت کا جائزہ لینا ہوگا۔ اور اپنی طبیعت اور مزاج کے مطابق میدان زندگی منتخب

کرنا ہوگا۔

اور اگر آپ کسی وجہ سے یہ میدان نہیں چھوڑ سکتے تو پھر صبر کے ساتھ حسد سے نکل کر ہنسی خوشی رہنا ہوگا۔ ورنہ آپ دوسرے نقصانات کے ساتھ ساتھ بدگمانیوں کے چکروں میں ایسے الجھیں گے کہ جو کچھ آپ کر سکتے تھے وہ بھی نہیں کر پائیں گے۔ اور اسی طرح یہ چیز آپ کو کبھی اس شخص سے استفادہ کرنے کے قابل نہیں رہنے دے گی۔ جس کے نتیجے میں آپ اس کی خداداد صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے سے محروم رہ جائیں گے وغیرہ۔

یہود کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر حسد پیدا ہوا اور اس حسد میں وہ بڑھتے چلے گئے۔ اور بات یہاں تک پہنچ گئی کہ وہ خدا کے مقرب ترین فرشتے حضرت جبرائیل امین کے بارے میں بدگمانیاں کرنے لگے کہ یہ ہمارا دشمن ہے اس نے جان بوجھ کر عربوں کے ایک آدمی کو نبوت دے دی ہے۔

اس کے نتیجے میں وہ نہ صرف ان فوائد سے محروم ہوئے جو انھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شامل ہو کر ملتے، بلکہ وہ ہمیشہ کے لیے اس نعمت سے محروم ہو گئے، جو ان کے لیے نجات کا ذریعہ بنتی۔

تکبر یا احساس برتری

بدگمانی کا ایک اور سبب تکبر بھی ہے۔ تکبر کے معنی اپنے آپ کو دوسروں کے مقابل میں برتر و بالا سمجھنا اور انھیں حقیر سمجھنا ہے۔ یہ دوسرا حصہ بدگمانی کی بنیاد بنتا ہے۔ دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنا، یہ بہت سارے برے گمانوں کو پیدا کرتا ہے۔ مثال کے طور پر بعض بزرگ، جو محض اپنے آپ کو اچھے معنی میں بھی بڑا سمجھنے کی بنا پر (یعنی تکبر نہ بھی ہو، مگر اپنے آپ کو عمر وغیرہ میں بڑا سمجھ لینے والے بھی) اس طرح کی بدگمانیوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ مثلاً اگر کوئی ان سے ملنے نہ جائے تو وہ اسے اس کے کسی منفی جذبے سے تعبیر کریں گے۔ جیسے وہ کہیں گے: ”وہ بڑا بنتا ہے“ یا ”اسے میری قدر نہیں ہے“ وغیرہ۔ حالانکہ ہو سکتا ہے کہ اس کے کوئی اور ہی مسائل ہوں، جن کی وجہ سے وہ نہ آ رہا ہو۔

ماں باپ، بزرگ اعزہ، اساتذہ اور وہ لوگ جو کسی نہ کسی معنی میں دوسروں سے بڑے ہوں، تو ان کو یہ شکایات بالعموم پیدا ہو جاتی ہیں۔ حالانکہ یہ محض ان کے گمان ہوتے ہیں۔ جب ایک مثبت سطح کی حقیقی بڑائی بدگمانیوں کے اتنے گمان پیدا کر سکتی ہے تو اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ تکبر میں مبتلا شخص کس درجے میں اس مرض کا شکار ہوگا۔

تکبر ایسا مرض ہے کہ اس کے بعد آدمی دوسروں کو حقارت سے دیکھنے لگتا ہے۔ ان کے عمل کی خوبی، ان کی نیک نیتی، ان کی سیرت کی برتری، سب ایسے شخص کے ہاں بے معنی قرار پاتی ہیں۔ وہ ہمیشہ ان کے اعمال کو بری نگاہ

سے دیکھتا ہے۔ وہ ان کی خدمت کر رہے ہوں، تو یہ مطلب پرستی ہوتی ہے، وہ اس سے اختلاف کر رہے ہوں تو یہ ان کی کندھنی ہوتی ہے وغیرہ۔

مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت غریبوں میں پھیلتی ہے تو سردارانِ قریش کے تکبر کو یہ چیز آپ کی دعوت کی کمتری کا ثبوت لگتی ہے۔ چنانچہ ایسا آدمی ہر چیز کو تکبر کی نگاہ سے دیکھ کر اس کی حقارت ہی کا فیصلہ کرتا ہے اور یہی چیز بدگمانی کا سبب بن جاتی ہے۔

کمزوری

گمانوں کا شکار کرنے والا ایک محرک ہماری کمزوری بھی ہے۔ خواہ وہ دوسروں کے مقابلے میں ہو، یا محض ہمارا ایک نقص ہو۔ مثلاً کوئی مرض، کوئی نقص ہمیں اس جگہ رکھ دیتا ہے کہ ہم وہموں اور گمانوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اچھے برے خیالات ہمارے ذہن پر حملہ آور ہوتے ہیں، اور ہم اپنی کمزوری کی بنا پر ان کے اسیر ہو جاتے ہیں۔ مریض بالعموم اپنے گھر والوں سے الجھ رہے ہوتے ہیں کہ میری کسی کو پروا نہیں ہے۔ حالانکہ ان کی تیمارداری پوری طرح کی جارہی ہوتی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے مرض کی وجہ سے ایک کمزور حالت میں ہوتے ہیں۔ ان کی توقعات بڑھ جاتی ہیں۔ دوسروں پر ان کا انحصار زیادہ ہو جاتا ہے۔ یہ محتاجی انھیں دوسروں کے بارے میں سوچنے پر آمادہ کرتی ہے۔ چنانچہ انھیں اپنی طرف دوسروں کا عدم التفات ایک برا سلوک دکھائی دیتا ہے۔ اور وہ ان کے بارے میں برا سوچنے لگ جاتے ہیں۔ اس لیے اس بات پر نگاہ رکھنی چاہیے کہ جو اس محتاجی میں آپ کا ساتھ دے رہے ہیں۔ ان کے اپنے بھی کام ہوتے ہیں۔ ان کی اپنی ذات کے بھی مسائل ہیں۔ اگر وہ آپ کے بارے ہی میں سوچتے اور عمل کرتے رہیں تو یہ ناممکن ہے۔

برائی کا عادی ہونا

جو لوگ دھوکا، حیلہ بازی اور مکر و فریب کے عادی ہوتے ہیں۔ وہ دوسروں کے بارے میں بھی یہی سوچتے ہیں کہ یہ لوگ بھی انھی وجوہات سے ایسا کرتے ہیں، جن کی وجہ سے وہ یہ سب کچھ کرتے ہیں۔ ہم ایسے بہت سے لوگوں سے ملیں گے کہ وہ دوسروں کے بارے میں ایسے عجیب و غریب تبصرے کرتے دکھائی دیں گے کہ آدمی دنگ رہ جائے۔

ان تبصروں کی وجہ صرف یہی ہوتی ہے کہ ان کا اپنا سوچنے کا انداز ایسا ہوتا ہے۔ وہ اپنی مطلب براری کے لیے کہیں خوشامد کر رہے ہوں گے تو کہیں دھوکا و فریب کی بساط بچھا رہے ہوں گے۔ اس لیے جب دوسروں کو کسی کی تعریف کرتے دیکھیں گے تو انھیں گمان ہوگا کہ وہ خوشامد کر رہا ہے۔ سارے لوگ ایسے نہیں ہوتے، ان کے جینے کا طریقہ لازم نہیں کہ آپ جیسا ہو۔ ان کے مطلب براری کے گزروں میں نہیں کہ وہی ہوں جو آپ اختیار کرتے ہیں۔

غلط فہمی

یہ اگرچہ خالص نفسیاتی محرک نہیں ہے، مگر یہ حقیقت ہے کہ اکثر معاملات میں اوپر کے تمام اسباب و محرکات جو میں نے بیان کیے ہیں، وہ صرف اس وجہ سے عمل میں آتے ہیں کہ ان کے پیچھے ہماری غلط فہمی کا رفرما ہوتی ہے۔ یعنی غلط فہمی اوپر کے تمام نفسیاتی محرکات کو جگا دینے کا باعث بن جاتی ہے۔

غلط فہمی یہ ہے کہ ہم اپنے کسی بھائی کے کسی قول یا عمل کو غلط سمجھ لیتے ہیں۔ جس کی کچھ مثالیں اوپر گزری ہیں۔ بعض اوقات آپ محض مذاق کرنا چاہتے ہیں، مگر وہ دوسرے کے لیے طعنہ بن جاتا ہے۔ آپ ایک تنقید کر کے اصلاح کرنا چاہ رہے ہوتے ہیں، مگر وہ دوسرے کے لیے تکلیف دہ اپانت بن جاتی ہے۔ یہ سب اس وجہ سے ہوتا ہے کہ آپ کی بات کو صحیح نہیں سمجھا گیا ہوتا۔ اس کے اسباب کئی ہو سکتے ہیں۔ مثلاً آپ کے الفاظ صحیح نہیں تھے، یا آپ کا لہجہ غلط تھا، یا آپ نے جو موقع اس بات کے لیے منتخب کیا وہ درست نہیں تھا، یا جو موضوع آپ نے چھیڑا وہ اس کے اور آپ کے تعلق کے لحاظ سے موزوں نہ تھا، غرض اس غلط فہمی کے پیدا کرنے کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔

اس لیے ہمیں یہ سوچنا چاہیے کہ ہم نے یہ سوال چھیڑ کر غلطی تو نہیں کی، اور اس کے رویے کی غلطی کو دیکھ کر معافی مانگنی چاہیے۔ اس لیے کہ اگر اس کا رویہ خراب ہوا ہے تو اس میں ہمارا قصور بھی ہے۔ اسی طرح جس کو غلط فہمی ہوئی ہے اس کو بھی یہ خیال کرنا چاہیے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ شخص میری برائی ہی کر رہا ہو۔ یہ میرا خیر خواہ بھی ہو سکتا ہے۔

خوف

خوف بھی گمانوں کا محرک ہے۔ آدمی جب اپنے آپ کو خطرے میں پاتا ہے تو طرح طرح کے خیالات اس کے ذہن میں آتے ہیں۔ وہ ان لوگوں کے اقدامات کا جائزہ لیتا ہے جن کے ذریعے سے اس کو خیال ہوتا ہے کہ وہ اس مشکل میں پھنسا ہے اور پھر ان کے بارے میں طرح طرح کے خیالات اس کے ذہن میں آتے ہیں۔ سورہ احزاب

میں منافقین کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ غزوہ احزاب نے کس طرح منافقین کے دلوں میں بدگمانیوں پر بدگمانیاں پیدا کیں کہ وہ اللہ کے بارے میں بھی برے گمان دل میں پالنے لگے (۱۰:۳۳)۔

گمانوں سے بچنے کا طریقہ

انسان کیا ہے؟

بدگمانی سے بچنے کا طریقہ جاننے سے پہلے یہ جان لینا چاہیے کہ انسان کیا ہے۔ انسان قرآن مجید کی روشنی میں کسی شیطان کا تخلیق کردہ نہیں ہے۔ اسے خالق کائنات نے وجود بخشا ہے۔ جو منع خیر و صلاح ہے۔ اس اعتبار سے سب انسان ایک ہی خالق کی مخلوق اور اس کی دی ہوئی فطرت پر بنائے گئے ہیں۔

انسان صاحب خیر مخلوق

قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب انسان اچھے ہیں۔ ان کے خمیر میں نیکی اور خیر و صلاح رکھی گئی ہے۔ کوئی شخص دنیا میں ایسا نہیں ہے جس کی سرشت میں شیطنت ہو۔ نہ کوئی انسان فتنہ و فساد کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ سب کو ایک جیسی صفات دی گئی ہیں۔ البتہ آزمائش کے لیے مزاج مختلف رکھے گئے ہیں۔ مثلاً غصہ سب میں ہے، مگر کسی میں زیادہ ہے اور کسی میں کم۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ یہ آدمی برا ہے۔ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما میں غصہ اور نرمی کا فرق نمایاں تھا۔ مگر ایسا نہیں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ غصہ کی وجہ سے برے تھے۔ یہ صرف ان کے لیے آزمائش تھی جس میں وہ کامیاب ہوئے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نرمی ان کے لیے آزمائش تھی وہ بھی اس میں کامیاب ہوئے۔ انھوں نے غصہ کو حق کے لیے استعمال کیا، اور باطل کے خلاف فاروق بن گئے اور انھوں نے نرمی کو حق کی راہ میں حائل نہیں ہونے دیا اور صدیق کہلائے۔

بس سب انسانوں کا یہی معاملہ ہے ان کو سب کچھ دیا گیا ہے، مگر مقدار کا فرق ہے تاکہ ان کو آزمایا جائے۔ یہ آزمائش مزاج کی ان کم و بیش صلاحیتوں کے ساتھ حق پر قائم رہنے اور اس پر عمل کرنے کی ہے۔ لیکن ایسا نہیں ہے کہ کسی انسان کو شر زیادہ دے دیا گیا ہو۔ یا اسے خیر اور فطرت سے بالکل خالی رکھا گیا ہو۔ اس لیے کسی انسان کے

بارے میں یہ خیال تو سرے سے ہی غلط ہے کہ ”وہ تو ہے ہی شیطان“ اس لیے کہ یہ سب رحمن کے تخلیق کردہ ہیں۔ ان کے اندر بھی نیکی ہوگی، مگر بس کبھی دب جاتی ہے۔

اس بات کو تفصیل سے سمجھنے کے لیے اب ہم دیکھتے ہیں کہ انسان کو خیر کی کیا چیزیں اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہیں۔ اس تفصیل سے ہمیں یہ بات سمجھنے میں مدد ملے گی کہ انسان دراصل خیر کے لیے پیدا کیا گیا۔ اور اسے نیکی کا سبق کبھی بھولتا نہیں ہے۔ یہ بس وقتی اشتعال یا جذبہ کی تحریک ہوتی ہے جو کبھی تھوڑی اور کبھی طویل مدت کے لیے انسان کو بھٹکا دیتی ہے۔

فطرت

دنیا میں جتنے انسان پیدا ہوتے ہیں وہ فطرت پر پیدا ہوتے ہیں۔ وہ دینِ قیم کا سبق لے کر آتے ہیں۔ اس فطرت میں بنیادی چیز تو حید اور اس کی بندگی ہے۔ یہی فطرت انسان کے مذہبی شعور کو وجود بخشی ہے۔ ہمیں یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم اس فطرت کے مطابق جو دین ہو اس کو اختیار کریں اور اس میں تبدیلی کرنے سے گریزاں رہیں۔ قرآن مجید کا فرمان ہے:

فَاقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا، فِطْرَتَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا، لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ، ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ، وَلَكِنْ أَكْثَرُ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ. (الروم: ۳۰)

”بس تم اپنا رخ، یکسو ہو کر، اللہ کے دین کی طرف پھیر لو۔ اس فطرت کی پیروی کرو، جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے، اللہ کی بنائی ہوئی فطرت کو بگاڑنا جائز نہیں ہے۔ یہی سیدھا دین ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔“

یہ نہایت اہم اطلاع ہے۔ ہمیں سب انسانوں کے بارے میں یہاں یہ خبر دی گئی ہے کہ وہ شر پر تخلیق نہیں کیے گئے ہیں، بلکہ ان کی تخلیق میں خیر کو بنیادی جوہر اور فطرت کی حیثیت حاصل ہے۔ دینِ قیم ان کے اندر موجود ہے۔ اس سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سب انسانوں میں، خواہ وہ پاکستانی ہوں یا ہندوستانی، مسلمان ہوں یا یہودی و عیسائی، ہندو ہوں یا مجوسی و پارسی یہ سب جب پیدا ہوئے تھے، تو سب کو یہی فطرت عطا کر کے پیدا کیا گیا تھا۔ نہ کوئی کافر تھا اور نہ کوئی مشرک، سب کے پاس ایک ہی دین تھا۔ لیکن جیسے جیسے ہم بڑے ہوئے ہم مسلمانوں نے اسلام کے رسوم و مناسک سیکھ لیے اور یہودیوں، ہندوؤں اور نصرا نیوں وغیرہ نے اپنے اپنے دین کے۔

لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اب ان کی فطرت ان کے ساتھ نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو انبیاء و صالحین کے

ہاتھوں کوئی ایمان نہ لاتا۔ ماحول مشرکانہ ہو، یا بداخلاقی سے بھرا ہوا یہ فطرت ہر شخص میں موجود رہتی اور اسے صلاح و خیر پر رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ ایک ہندو، عیسائی اور یہودی، بے دین اور دین دار، ملحد اور موحد سب کے پاس یہ فطرت موجود ہوتی ہے۔ اسی کے مطابق چلنا نیکی و ہدایت ہے اور اس کی خلاف ورزی بے راہ روی اور گم راہی ہے۔ اس فطرت کے کچھ اجزاء ہیں۔ ان کی تفصیل ہم ذیل میں کریں گے۔

عہد الست

یہ عہد اللہ نے ہم سے ہماری تخلیق کے بعد ہمیں دنیا میں بھیجنے سے پہلے لیا۔ قرآن مجید نے اس عہد الست کو یوں بیان کیا ہے:

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ، مِنْ ظُهُورِهِمْ، ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ: أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ؟ قَالُوا: بَلَىٰ، شَهِدْنَا، أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ: إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ، أَوْ تَقُولُوا: إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ، أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ. (الاعراف: ۷۲-۷۳)

”(اس بات کو یاد رکھ) جب تیرے رب نے بنی آدم سے، (یعنی) ان کی پیٹھوں سے ان کی ذریت کو نکالا، انھیں خود ان کے اپنے اوپر گواہ ٹھہرایا (اور پوچھا) کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ وہ بولے ہاں (تو ہمارا رب ہے) ہم اس پر گواہ ہیں۔ (یہ ہم نے اس لیے کیا کہ) کہیں قیامت کو یہ کہو کہ ہم تو اس سے بے خبر ہی رہے۔ یا یہ عذر کرو، پہلے ہمارے باپ دادا نے شرک کیا، اور ہم ان کی اولاد تھے، (چنانچہ انھی کی پیروی کی) تو کیا تو ہمارے ان باطل پرست (آبا) کے جرم میں ہمیں بھی ہلاک کر ڈالے گا۔“

یہ عہد فطرت انسانی کا ایک بڑا حصہ ہے جس کی وجہ سے یہ بات ہماری فطرت کا حصہ ہے کہ ہمارا ایک رب ہے۔ جس نے ہمیں تخلیق کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہمارا رب اور مخلوق کا رشتہ ہے۔ اور اس رشتے کا تقاضا ہے کہ ہم اس کو اپنا آقا و رب مانیں۔ وہ ہمارے گلہ کا رکھوالا ہے، وہ ہمارا رازق و مالک ہے۔ ہم اس کے اطاعت گزار و فرماں بردار ہیں۔ اس کے تخلیق کردہ ہونے اور اس کے رب ہونے کا تقاضا ہے کہ ہم اس کے وفادار رہیں۔

ہماری فطرت میں اس عہد الست کے ذریعے سے توحید اور رب واحد کا تصور رکھ دیا گیا ہے۔ اس بات میں مشرک و موحد سب یکساں ہیں۔ سب کے سینوں میں اصل سبق توحید ہی کا ہے۔ کوئی شخص پیدائشی طور پر مشرک و منکر

نہیں ہے۔ یہ اس کے اپنے خیالات ہیں، یا خارجی عوامل ہیں، جن کے زیر اثر وہ مشرک بنتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ یہاں فرما رہے ہیں کہ یہ فطرت اتنی صحیح اور قوی ہے کہ اس کے بعد یہ بہانہ سنا نہیں جائے گا کہ ہمارے آبائے ایسا کیا تو ہم بھی گم راہ ہو گئے۔ اس سے نتیجہ خود بخود نکل رہا ہے کہ دنیا کے سب انسان فطرت تو حید پر پیدا کئے گئے ہیں۔ کوئی اس معاملے میں ایسا نہیں ہے کہ جس کی سرشت میں شرک و بت پرستی اور اپنے رب سے بے وفائی رکھ دی گئی ہو۔

خیر و شر کا شعور

سورہ دھر میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

إِنَّا خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ أَمْشَاجٍ، نَبْتَلِيهِ، فَجَعَلْنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا، إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا.

”یہ حقیقت ہے کہ ہم نے انسان کو ایک ملی ہوئی بوند سے پیدا کیا ہے۔ ہم اس کو اُلٹے پلٹتے رہے، یہاں تک کہ ہم نے اسے دیکھنے اور سننے والا بنا دیا (اس طرح کہ) ہم نے اسے خیر و شر کی راہ سمجھا دی، اب وہ چاہے شکو یا کفر کرے۔“

(۳۰:۷۶)

اسی مضمون کو سورہ شمس میں بھی بیان کیا گیا ہے:

وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا، فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا، قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا. (۹۱:۷-۹)

”نفس اور اس کا سنوارا جاسے سنوارنے کے بعد نیکی و بدی کی راہ سمجھا دی گئی، گواہی دیتا ہے کہ جس نے اس کو پاک رکھا وہ مراد کو پا گیا اور جس نے اسے آلودہ کیا، وہ نامراد ہوا۔“

آلودہ کیا، وہ نامراد ہوا۔“

ان آیات سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ عہد الست کے علاوہ ہمارے نفس کو بناتے وقت اللہ تعالیٰ نے اس میں خیر و شر کا سبق بھی سکھا دیا ہے۔ ہماری فطرت کا دوسرا حصہ یہ خیر و شر کا شعور ہے۔ پیدائش ہی کے وقت اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان دنیوی علوم کے ساتھ جو اس دنیا میں رہنے کے لیے ضروری تھے، یہ علم بھی سکھا دیا کہ خیر کیا ہے اور شر کیا ہے۔ ہم میں سے ہر شخص کو خیر کا بھی علم ہے اور شر کا بھی۔ کوئی شخص ایسا نہیں ہے جسے صرف شر ہی سکھایا گیا ہو۔ اور نہ کوئی ایسا ہے کہ اسے صرف خیر ہی پڑھایا گیا ہو۔ سب کو دونوں چیزوں کی بصیرت عطا کی گئی ہے تاکہ وہ خارجی ہدایت کے بغیر بھی نیکی کو جانتا ہو، اور اس کے اچھے ہونے سے واقف ہو اور وہ بدی کو جانتا ہو اور اس کے برے ہونے سے واقف ہو۔ خیر و شر کے بارے میں ہمارا امتحان اسی بات پر ہے۔

اس فطرت کے اندر جیسا کہ ہم نے عرض کیا تو حید اور خیر و شر کا علم ہمیں دیا گیا ہے۔ عہد الست ہی کی طرح ایک عہد ہم سے امانت کا لیا گیا ہے۔ تاکہ یہ بات بھی ہماری فطرت کا حصہ بن جائے کہ جو کچھ اقتدار اور حق تصرف ہمیں حاصل ہے وہ اللہ کی ودیعت کردہ امانت ہے جس کا جواب دہ ہمیں ہونا ہے:

”ہم نے اپنی امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں
 پر پیش کی، تو انھوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا،
 اور اس سے ڈرے اور انسان نے اسے اٹھالیا، بے شک
 وہ ستم ایجا د اور جذباتی ہے۔“

إِنَّا عَرَضْنَا الْأَمَانَةَ عَلَى السَّمَوَاتِ
 وَالْأَرْضِ وَالْجِبَالِ فَأَبَيْنَ أَنْ يَحْمِلْنَهَا،
 وَأَشْفَقْنَ مِنْهَا، وَحَمَلَهَا الْإِنْسَانُ، إِنَّهُ
 كَانَ ظَلُومًا جَهُولًا. (الاحزاب ۷۲: ۳۳)

اس امانت کے اٹھانے کے بعد یہ چیز بھی ہماری فطرت کا حصہ بن چکی ہے کہ ہم نے خدا کو اس امانت کا حساب دینا ہے۔ یہ امانت خدا نے ہمیں دی ہے۔ وہ اسے واپس لے گا۔ تو اس کے استعمال کا ہم سے پوچھے گا۔ اس سوال کی کیفیت یہ ہے کہ ہمارے سمع و بصر، دل و دماغ اور دیگر صلاحیتوں کے پارے میں بھی باز پرس ہونی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں آیا ہے:

”بلاشبہ تمہارے کانوں، آنکھوں اور دل، ان سب
 سے متعلق تم سے سوال ہوگا۔“

إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ
 كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا. (بنی اسرائیل ۱۷: ۳۶)

ہماری فطرت

یہ تینوں عہد معاہدے ہماری فطرت کی تشکیل کرتے ہیں۔ یعنی عہد الست، خیر و شر کا علم و شعور اور عہد امانت ہماری فطرت کا حصہ ہیں۔ دنیا کا کوئی شخص ان سے محروم و ناواقف نہیں ہے۔ کسی حقیر سی کٹیا میں پیدا ہونے والے بچے سے لے کر شاہی محلات میں پیدا ہونے والے بچے تک دنیا کا ہر شخص اس دولت سے مالا مال ہے۔ اسے خدا نے یہ ہدایات دے رکھی ہیں۔ کوئی شخص ان کے بغیر دنیا میں نہیں آتا۔ اسی فطرت کی آواز ہے کہ اوباش سے اوباش انسان بھی نیکی کی قدر کرتا۔ اور کم از کم دل میں اس کا احساس ضرور رکھتا ہے کہ یہ کوئی بہتر چیز ہے۔

انسان کی یہ سرشت اور ہمارا رویہ

قرآن کی یہ تعلیم ہمیں یہ بتاتی ہے کہ سب انسان اپنی سرشت میں نیک ہیں۔ اصل میں کوئی بھی فتنہ پسند اور برا

نہیں ہے۔ اس لیے ہمارے لیے یہ بات کسی طرح درست نہیں ہے کہ ہم انسانوں کے بارے میں، خواہ غیر مسلم ہوں، برے خیالات باندھیں اور انہیں بلاوجہ برا سمجھیں۔ اسی طرح غلطی کھانا، انسان کی توجہ بٹنے اور بھول جانے سے متعلق ہے۔ اس میں لازم نہیں ہے کہ آدمی برا تھا اس لیے اس نے برائی کر ڈالی۔ کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ہم کسی کے ساتھ نیکی کرتے ہیں، مگر دوسرے کو اس سے غصہ آ جاتا ہے۔

مثلاً آپ کسی کی مدد کر رہے ہوں، یا قرض ہی دے رہے ہوں اور آپ قرض دیتے وقت اس کے کسی جاننے والے کے سامنے یہ قرض دے دیں تو ہو سکتا ہے کہ قرض لینے والا اس کو پسند نہ کرے۔ مگر آپ کے دل میں بھی کوئی خیال نہ ہو کہ آپ لازماً اسی کے سامنے دینا چاہتے تھے تا کہ اسے اس کے جاننے والے کے سامنے خفت اٹھانے پر مجبور کریں۔ یہ محض اتفاق بھی ہو سکتا ہے کہ وہ آدمی اسی وقت آپ کے پاس آیا جب قرض لینے والے نے آنا تھا۔ لیکن قرض والے کے ذہن میں اس قرض کے لیتے ہوئے اس کی غیرت و حمیت کا مسئلہ پیدا ہو گیا۔

میں نے یہ مثال اس لیے دی ہے کہ ہمارے سامنے یہ بات آئے کہ ہم سے یا دوسروں سے جب کوئی غلطی ہو جائے تو اس سے اس کا ناقص العقل ہونا، یا بد طینت و بدنیت ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آدمی معصومیت میں ایسی غلطی کر جاتا ہے جس سے ہمیں ایسا نقصان ہو سکتا ہے، جبکہ غلطی کرنے والے کی نیت نقصان پہنچانے کی نہ ہو۔

اس لیے گمانوں سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم یہ یقین رکھیں کہ سب انسان اچھے ہیں۔ ان سے اکثر جذبات، بے علمی اور نسیان و خطا سے غلطی ہوتی ہے۔ وہ اپنی سرشت میں برے نہیں ہیں۔

مطلوب رویہ

اوپر کی بحث سے یہ بات واضح ہے کہ انسان اصل میں نیک اور صالح ہے۔ جب تک کہ اس کی برائی ٹھوس دلائل سے ثابت نہ ہو جائے۔ اس روشنی میں قرآن مجید کا ہم سے مطالبہ یہ ہے کہ ہم دوسروں کے بارے میں بری بات سامنے آنے کے باوجود اسے دل میں کوئی جگہ نہ دیں۔ اس سے کھلے عام برأت کا اظہار کریں۔ یہ اعلان ہر مومن کے بارے میں ہونا چاہیے۔ اور اس وقت تک ہونا چاہیے جب تک اس کی نیکی ہم پر ظاہر اور اس کی بدی ہم پر پوشیدہ ہے۔ سورہ نور میں قرآن مجید کا فرمان ہے:

إِنَّ الَّذِينَ جَاءُوا بِالْإِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ، ”جو لوگ بہتان گھڑ لائے ہیں، وہ تمہارے ہی اندر کا

لَا تَحْسَبُوهُ شَرًّا لَّكُم، بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ، لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْإِثْمِ، وَالَّذِي تَوَلَّى كِبْرَهُ مِنْهُمْ لَهُ عَذَابٌ عَظِيمٌ، لَوْ لَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَأَنفُسِهِمْ خَيْرًا، وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ مُّبِينٌ. (۱۲-۱۰:۲۴)

ایک گروہ ہے۔ تم اس (فتنہ افک) کو اپنے لیے برا خیال نہ کرو، یہ تو تمہارے لیے بہت اچھا ہے، ان میں سے ہر ایک نے جو گناہ کمایا، وہ اس کے حساب میں پڑا، اور اس فتنے کے سرخیل کے لیے تو بہت بڑی سزا ہے۔ ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے یہ بات سنی، تو مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے بارے میں نیک گمان کرتے، اور کہہ دیتے ہیں یہ تو صریح بہتان ہے، (ہم اس میں شریک نہیں ہو سکتے)۔“

پہلی بات جو اس آیت سے معلوم ہو رہی ہے کہ دوسروں کے بارے میں دل میں برے خیال لانا تو درکنار اگر کوئی اور شخص بھی کسی کے بارے میں بری بات آپ کے کان میں ڈالے تو قرآن کہتا ہے کہ ہمارا فرض ہے کہ ہم سب سے پہلے یہ کام کریں کہ ہم اپنے بہن بھائی جن کے بارے میں بھی وہ بات کہی جا رہی ہے اس سے دل میں برا خیال لانے کے بجائے اچھا خیال لائیں۔

دوسرے یہ کہ قرآن نے 'بأنفسهم' کے الفاظ سے یہ بات نمایاں کی ہے کہ تم ان میں سے ہو وہ تم میں سے ہیں۔ تو ایک دوسرے کے بارے میں ایسا کرنے کا مطلب ہے کہ تم اصل میں خود اپنے بارے میں ایسا کر رہے ہو۔ مومنین ایک دوسرے کے بھائی بھائی ہیں۔ حدیث کے مطابق سب مومن ایسے ہیں، جیسے ایک جسم کے اجزاء، ایک کی تکلیف سب کی تکلیف ہے اسی طرح ایک کی برائی سب کی برائی ہے۔ ہم مسلمانوں کو یک جان ہو کر رہنا چاہیے۔ اس لیے کہ اگر آج آپ کے سامنے کسی پر الزام لگا ہے تو کل آپ پر لگے گا۔

تیسرے یہ کہ اس طرح کی کسی بات میں جو ثابت شدہ نہیں ہے، اس میں شریک ہونا بہتان لگانے میں شریک ہونا ہے۔ اس لیے بندہ مومن کو فوراً اس سے گریز کرنا چاہیے اور اس بات کا اعلان کرنا چاہیے کہ کسی بندہ مومن کے بارے میں یوں کہنا الزام لگانا ہے۔ اس لیے میں تمہاری بات میں شریک نہیں ہو سکتا۔

ہر مسلمان کے ساتھ اصل میں ہمارا تعلق یہی ہے کہ وہ اصل میں نیک ہے اور برائی سے پاک ہے۔ اگر اس کی برائی ثابت ہو گئی ہے تو پھر الگ بات ہے، مگر جب تک برائی ثبوت کے درجے تک نہیں پہنچی اس وقت تک کسی کے بارے میں ایسا سوچنا بدگمانی ہے اور اس کا منہ سے کہہ دینا بہتان ہے۔ یہ دونوں عمل آپ کے حساب میں مندرجہ بالا آیت کے مطابق گناہ کا اضافہ کر دیں گے۔

اوپر ہم نے بنیادی مطالبہ کا ذکر کیا ہے، تاکہ ہمیں یہ معلوم ہو کہ بدگمانی اصل میں کیا ہے، اور دین نے ہمیں اس سے روکا ہے۔ یعنی ہر انسان بنیادی طور پر اچھا سمجھا جانا چاہیے اور دوسروں کو اپنے دل میں یا دوسرے کے سامنے علانیہ برائی کی نسبت دینا گناہ ہے۔ اس سے بچ کر رہنا لازم ہے۔ آئندہ سطور میں ہم ان طریقوں کا ذکر کریں گے جو ہمیں بدگمانی سے بچانے میں مدد دیں گے۔ ان طریقوں کو ہم نے دو قسموں میں تقسیم کیا ہے تاکہ بات کو سمجھنا اور آسان ہو جائے:

۱۔ نظری طریقے

۲۔ عملی طریقے

نظری طریقے

دوسروں کے ہر عمل کو صلاح و خیر پر محمول کرنا

اوپر کی ساری بحث جو ہم نے کی ہے اس کا لازمی تقاضا ہے کہ ہمارے بہن بھائی، دوست احباب، عزیز و اقارب، قرب و جوار میں رہنے والے سب لوگ ہمارے ساتھ جتنے معاملات کرتے ہیں۔ ان کو ہم خیر پر محمول کریں۔ اپنے ذہن میں ان کی اچھی تو جیہہ کریں یعنی یہ سوچیں کہ میرے بھائی نے یہ کام، یہ بات، یہ عمل، یہ حرکت کسی اچھی وجہ سے کی ہوگی۔ اس کا سبب اچھا ہوگا۔

ہمیں یہ اپنی عادت بنا لینی چاہیے کہ ہم ہر کام کی اچھی تو جیہہ کریں۔ کسی عارف کا قول ہے کہ کسی کے کام کی بری تو جیہہ کے سوا امکان ہوں اور اس کی اچھی تو جیہہ کا ایک امکان ہو تو تب بھی اچھی تو جیہہ ہی کرنی چاہیے۔ ہمارے شب و روز میں چند واقعات ہی ایسے ہوتے ہیں، جو ہمیں دوسروں کے بارے میں سوچنے پر مجبور کرتے ہیں۔ تو ان کے بارے میں فوراً سوچ کر یہ فیصلہ کریں کہ یہ یقیناً اچھے مقصد ہی کے لیے کیا گیا ہوگا۔

چنانچہ ہمیں اپنے ارد گرد رہنے والوں کے تمام

۱۔ اقوال (باتیں اور تبصرے)

۲۔ افعال (کاموں)

۳۔ اشارات (اشارہ بازی)

کو اچھے معنی میں لینا چاہیے۔ اگر ایسا نہیں کریں گے تو یہیں سے بدگمانی کا عمل شروع ہوگا۔ اگرچہ ہم سب کو بات کرتے وقت، حرکات و افعال اور اشارے کرتے وقت اس بات کا پورا خیال رکھنا چاہیے کہ کسی کے لیے اس میں خرابی نہ ہو۔ لیکن جس نے وہ اشارہ برا محسوس کیا ہے اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اسے اچھے معنی میں لے۔

ہمارے ساتھیوں اور رشتہ داروں سے جو کچھ صادر ہوتا ہے اگر وہ برائی بھی کر رہا ہے تو آپ کی اچھی تو جیہہ سے اس کی برائی ختم ہو جائے گی۔ آپ کی تکلیف کم ہو جائے گی اور اس کی برائی بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔ مثلاً اس نے اگر آپ کو چڑانے کے لیے ایسا کیا ہے، مگر آپ نے اس کی تو جیہہ اچھی کر لی ہے تو اس کی شرارت ناکام ہو جائے گی۔

غلطی کرنا ایک انسانی وصف

غلطی سب سے ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں آیا ہے کہ 'خلق الانسان ضعيفا'، 'انسان کو کمزور تخلیق کیا گیا ہے۔' یہ کمزوری اس کے اندر اس لیے رکھی گئی ہے کہ وہ اکڑ کر خدا بننے کی کوشش نہ کرے۔ تکبر میں مبتلا نہ ہو، خدا کے سہارے کو تلاش کرے۔ مگر اسی وصف کی بنا پر اس سے غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ ہم سب غلطی کرتے ہیں۔ ہمارے ساتھ یہ اکثر ہوتا ہے کہ ہم ہم دردی جتنا چاہتے تھے، مگر اس ہم دردی کے اظہار میں لفظوں کا غلط انتخاب ہو جاتا ہے۔ جس سے وہ آدمی ناراض ہو جاتا ہے۔ ہماری مراد یہ ہے کہ سب غلطیاں کرتے ہیں۔ اس لیے جب کسی کی کوئی بات بری لگے تو اس کی ایک وجہ محض یہ بھی ہوتی ہے کہ اس سے غلطی سے ایسا ہوا ہو۔ ہر چیز جو ہمیں تکلیف دیتی ہے لازم نہیں ہے کہ وہ دوسرے نے ہمیں تکلیف دینے ہی کے لیے کی ہو۔ اس میں سو فی صد امکانات اس بات کے ہوتے ہیں کہ اس سے وہ عمل غلطی سے ہو گیا ہو۔

غلطی سے برائی ہو جانے کو قرآن مجید نے بھی قابل معافی قرار دیا ہے (البقرہ ۲: ۲۸۶) ہمیں بھی قرآن مجید کی روشنی میں یہ عام اخلاقی ضابطہ اپنانا چاہیے کہ جو کام دوسروں سے غلطی سے ہو جائیں وہ قابل مواخذہ نہ ہوں۔ اس لیے کہ ان کے معاملے میں یہ غلطی کبھی ہم سے بھی ہو سکتی ہے۔

بدگمانی کے موقع پر ہر معاملے میں بدگمانی میں مبتلا ہونے سے بہتر ہے کہ ہم اگر اس کے قول و فعل کو خیر و صلاح پر محمول نہیں کر سکتے تو کم از کم اتنا تو سمجھ سکتے ہیں کہ اس سے یہ غلطی ہو گئی ہوگی۔ وہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا، مگر اس کے منہ سے یہ الفاظ نکل گئے ہوں گے۔ وغیرہ۔

بدگمانی نا انصافی ہے

بدگمانی سے بچنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کی برائی کی شدت آپ پر واضح ہو۔ بدگمانی محض بدگمانی نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر آئے ہیں یہ ہمارا اپنے بھائی پر ظلم بھی ہے۔ جس طرح قرآن مجید نے غیبت کو مردہ بھائی کے گوشت نوچنے سے تشبیہ دی ہے۔ اسی طرح اس میں بھی یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ یہ بات انصاف کے خلاف ہے کہ آپ اپنے بھائی کے بارے میں بلا جواز بری رائے قائم کر لیں۔

چنانچہ جب آپ اپنے بھائی کے بارے میں غلط رائے قائم کرتے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ نا انصافی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ نا انصافی گناہ والا عمل ہے اس سے ہمیں بچ کر رہنا چاہیے۔

بدگمانی نفس کی چغلی

اس جرم کی شاعت اس پہلو سے اور بھی بڑھ جاتی ہے کہ بدگمانی اپنی حقیقت میں چغلی اور غیبت جیسی ہے۔ چغلی اور غیبت میں ایک آدمی دوسرے آدمی کے ساتھ کسی کی برائی کر رہا ہوتا ہے اور اس میں آپ کے ساتھ آپ کا نفس برائی کر رہا ہوتا ہے۔ بدگمانی بھی کسی ایسے نفسیاتی محرک سے شروع ہوتی ہے جس سے چغلی شروع ہوتی ہے۔ آدمی کو اپنے اوپر قابو رکھنا چاہیے کہ وہ اپنے ساتھ بھی اپنے بھائی کی چغلی نہ کرے۔ بس اتنا ہی اپنے بھائی کے بارے میں سوچے جتنے اس کے پاس حقیقی شواہد موجود ہوں۔ اس کے بعد جب ہمارا ذہن اپنے لام لگانے لگ پڑے تو ہمیں رک جانا چاہیے۔

ایک واقعہ کے کئی رخ

دنیا میں ہونے والے ہر واقعہ کے کئی پہلو ہوتے ہیں۔ ان میں سے کچھ ہمارے سامنے ہوتے ہیں اور کچھ دوسروں کے سامنے۔ ہم بالعموم انھی پہلوؤں کا لحاظ کرتے ہیں، جو ہمارے سامنے ہوتے ہیں، یا ہمیں سمجھ میں آ رہے ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی حقیقت کچھ اور ہوتی ہے۔ میرے پاس ایک قیمتی چیز تھی، اس کے بارے میں ایک شخص نے یہ پوچھا کہ کتنے کی لی ہے؟ میں نے اس کی قیمت بتادی۔ دوسرے شخص نے پوچھا کہ کہاں سے لی ہے؟ میں نے کہا کہ تحفہ میں ملی ہے۔ ان دونوں کی کسی ملاقات میں میری اس چیز کا ذکر آ گیا۔ تو دونوں کو میرے جواب میں تضاد نظر آیا۔ اب میرے ہی بیانات سے دو مختلف باتیں ان کے سامنے آتی ہیں۔ جس سے ان کے دل میں میرے جھوٹا

ہونے کا خیال آیا۔ ان میں سے ایک نے مجھ سے کسی موقع پر پوچھا کہ تم نے اس کے بارے میں دو متضاد بیانات دیے ہیں۔ میں نے اسے بتایا کہ یہ دونوں بیانات سچے ہیں۔ کیونکہ میرا ایک دوست میرے ساتھ تھا، میں نے جب یہ چیز خریدی تو پیسے اس نے دے دیے تھے۔ اب اس کی قیمت بھی مجھے پتا ہے اور یہ میرے لیے تحفہ بھی ہے۔ یوں ایک واقعہ سے ہمیں پتا چلا کہ اپنے بیانات کی روشنی میں ایک آدمی جھوٹا لگ رہا ہوتا ہے۔ مگر حقیقت میں وہ سچا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ ہمیں ایک تیسرا اور حقیقی رخ اس واقعہ کا معلوم نہیں ہوتا۔

اس لیے بری رائے بنانے کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کے سامنے ایک واقعہ کے بیس پہلو ہیں، مگر وہ حقیقی پہلو آپ کے سامنے موجود ہی نہ ہو جو آپ کی رائے کو مثبت بنا سکتا ہے۔ اس لیے جب بھی آپ کے سامنے کوئی واقعہ ہو جو آپ کو منفی رائے بنانے پر اکسارہا ہو۔ تو اسی وقت یہ سوچیں کہ شاید کوئی ایسا رخ اس واقعہ کا ہو جو ہم پر نہ کھلا ہو۔

عملی طریقہ

ہم نے نفسیاتی محرکات میں دیکھا کہ ہمارا ذہن ہمہ وقت کام کرتا ہے۔ وہ چیزوں کے بارے میں سوچتا ہے۔ ان کا تجزیہ کرتا اور ان میں باہمی رشتہ اور تعلق جوڑتا ہے۔ چنانچہ وہ اپنا یہی کام، اگر ہمارے پاس سوچنے کی اچھی چیزیں نہ ہوں، تو وہ ارد گرد رہنے والوں کے متعلق شروع کر دیتا ہے۔ ان کے رویوں کی وجوہات تلاش کرتا ہے۔ جس کے نتیجہ میں ہم بدگمانی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس لیے لازم ہے کہ ہم اپنی سوچوں کو صحیح رخ پر لگائیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم اپنے ذہن کو کچھ دوسری طرح کی معلومات فراہم کریں تاکہ وہ سوچوں میں ان چیزوں کو لے آئے جو لوگوں سے متعلق نہ ہوں۔

تفکر

عام سوچیں، جیسے کاروبار، سماجی خدمت وغیرہ کے علاوہ کچھ دینی مشاغل بھی ایسے ہیں جنہیں قرآن مجید نے ہمارے سامنے رکھا ہے انہیں اپنانے سے ہمارے ذہن کو اپنی اس فعالیت کے لیے بہتر چیزیں مل جاتی ہیں۔ مثلاً قرآن مجید نے تفکر فی آیات اللہ کا حکم دیا ہے۔ یہ ذہن کی سب سے اعلیٰ مصروفیت ہے۔ اس سے ذہن یقیناً اچھی چیزوں میں غور کرے گا۔ ہونے والا ہر واقعہ دراصل خدا کی یاد کو تازہ کرنے اس کی قدرتوں اور حکمتوں کو ہم پر واضح کرنے کے لیے ایک نشانی ہوتا ہے۔ وہ ہماری تعلیم اور آزمائش کے لیے ہوتا ہے اگر ہم ان چیزوں کو سمجھیں تو ہر اچھے

برے واقعہ میں ہمارے لیے تفکر اور غور و خوض کا اتنا سامان ہے کہ ہماری بصیرت دن دو گنی رات چگنی ترقی کر سکتی ہے۔ پرانے حکما جن میں لقمان کا نام قرآن مجید نے بھی دیا ہے، انھوں نے جو حکمت حاصل کی وہ کتابیں پڑھ کر حاصل نہیں ہوئی تھی، بلکہ وہ انھی واقعات اور کائنات پر غور و خوض سے حاصل ہوئی تھی۔ اس عادت سے آپ ہر واقعہ میں خدا تک پہنچیں گے نہ کہ دوسروں کی بدگمانی تک۔

احساس امتحان

سوچوں کے اس دھارے کو مزید پاکیزہ بنانے کے لیے ضروری ہے کہ ہم ہمہ وقت اس احساس کو تازہ رکھیں کہ ہم امتحان میں ہیں۔ اگر ہم اس احساس کو زندہ رکھیں تو ہر قدم پر یہ احساس ہمارا محسن بن کر نمودار ہوگا۔ نہ صرف ہماری سوچوں کو درست رکھے گا، بلکہ ہمارے اعمال کو بھی صحیح نہج پر رکھے گا۔ سورہ بقرہ میں صحابہ رضوان اللہ علیہم کے بارے میں جو یہ بات آئی ہے کہ ”وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ“ اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہ اسی بات کا بیان ہے کہ ان کا عمل اور سوچ آخرت کے لیے ہوتی ہے۔ آخرت پر یقین ہی ہے جو ہمیں نیکی پر ابھارتا اور اس پر قائم رکھتا ہے۔ اگر آخرت نہ ہو تو شاید ہم نیکی سے جلد پھر جائیں۔

اپنی اصلاح

اس عادت کو اپنانے کے بعد، ایک اور عادت ہمیں پختہ کرنی چاہیے کہ ہم دوسروں کے بجائے اپنے نفس کو اپنی تنقید کا نشانہ بنائیں۔ اس کی خامیوں کو تلاش کریں۔ اسے سنواریں، اس کی غلطیوں کو دور کریں۔ ہمیں اپنے نفس کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیے جو اچھے والدین اپنے بچوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ ان کی تربیت کرتے، انھیں آداب سکھاتے، انھیں تعلیم دلاتے ہیں۔ ہمیں بھی اپنے نفس کے ساتھ یہی کرنا چاہیے۔

جب بھی کوئی غلطی کریں تو ضمیر کی سرزنش کو کافی نہ سمجھیں۔ خدا کے حق میں گناہ کیا ہو، تو توبہ و تلافی کریں، بندوں کے حق میں کیا ہو تو تلافی کریں تلافی نہ کر سکیں تو معاف کرا لیں۔ ان چیزوں کو متعین کریں، جن کی وجہ سے وہ غلطی ہوئی تھی۔ یعنی یہ جانیں کہ یہ غلطی بھول چوک سے ہوئی ہے یا کسی نفس کے خبث کی وجہ سے۔ اگر نفس کا کوئی خبث اس غلطی کا سبب ہے، تو اسے درست کرنے کی کوشش کریں۔

بندہ مومن اپنے اوپر سختی کرنے والا اور دوسروں کی غلطیوں سے درگزر کرنے والا ہوتا ہے۔ اسے لوگوں کی

غلطیوں سے زیادہ اپنی غلطیوں سے سروکار ہوتا ہے۔ وہ کوشش میں رہتا ہے کہ اسے صالح بننا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کل قیامت کے دن پکڑا جائے۔

دوسروں سے وجہ پوچھنا

تیسری بات جو آپ کو اپنے سامنے رکھنی چاہیے وہ یہ ہے کہ جس بات سے آپ کو تکلیف ہوئی اور آپ اس آدمی کے بارے میں، جس نے وہ بات کی ہے، غلط سوچنے لگے ہیں تو بجائے اس کے کہ آپ خود سوچیں اور بلا ثبوت کوئی رائے قائم کریں، بہتر یہ ہے کہ آپ اس آدمی سے اس کی اصل وجہ پوچھ لیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اس کی بات کا وہ حقیقی پہلو جو آپ سے پوشیدہ تھا، سامنے آجائے گا۔ جب حقیقت آپ پر کھل جائے گی تو آپ بدگمانی کے بجائے حقیقت پر کھڑے ہو جائیں گے۔

لوگوں کی توجیہ کا اعتبار کرنا

جب آپ اس سے پوچھیں تو وہ جو وجہ بتائے اسے مان لیں۔ اگر آپ کو خیال ہو رہا ہو کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے تو مزید تسلی کر لیں۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ اس کی کہی ہوئی بات کو تسلیم کریں۔ اگر دل ہی دل میں یہ سوچیں کہ اس نے جھوٹ بولا ہے تو یہ پھر وہی بدگمانی ہے، جس سے آپ کو باز رہنا ہے۔

اس دنیا میں سارے لوگ بد طینت نہیں ہیں۔ اور اگر کوئی آدمی جھوٹ بولتا ہے تو یہ لازم نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ ہی جھوٹ بولتا ہو۔ اسی طرح اگر فرض کر لیجیے کہ اس نے آپ کا سامنا نہ کر سکنے کی وجہ سے بات پلٹ لی ہے، تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ آپ کی تکلیف کو رفع کرنے کے لیے یہ بات کافی ہونی چاہیے کہ اس نے اس بات کے اس مفہوم کا اقرار نہیں کیا جو آپ کو تکلیف دے رہا تھا۔

یہ بات اچھی معاشرت کے لیے لازم ہے کہ ہم ایک دوسرے کی باتوں کا اعتبار کریں۔ ان کی توجیہ اور ان کی صفائی میں کہی ہوئی بات کو اہمیت دیں، اور اسے تسلیم کریں۔ ورنہ یہ زندگی ایک عذاب کی صورت میں ڈھلنے لگتی ہے۔ جہاں بھائی بھائی سے نالاں ہوتا ہے، بہن بہن سے، ماں بیٹے سے اور بیٹا ماں سے۔

اگر ایک دوسرے کا یہ اعتبار باقی نہ رہے تو اس بات کا کوئی امکان ہی نہیں رہتا کہ معاشرتی نظام چلتا رہے۔ بات کرنی، سمجھانی اور منوانی اسی صورت ممکن ہے کہ جب لوگوں پر اعتبار باقی رہے۔ ایک دوسرے پر اعتبار کرنا ہی شرف انسانیت ہے۔ یہی حسن معاشرت کی پہلی بنیاد ہے۔ اگر فرض کریں کہ بیوی کو میاں پر اور میاں کو بیوی پر کسی وجہ

سے شک ہو جائے تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس گھر کی صبح صبح نہیں رہے گی اور شام شام نہیں۔ اس لیے اس اعتماد کو اس وقت تک باقی رکھنا چاہیے جب تک ٹھوس ثبوت سے وہ بات ثابت نہ ہو جائے۔

رائے سازی سے پہلے تحقیق

قرآن مجید نے دوسروں کے خلاف اقدام کرنے سے پہلے یہ لازم قرار دیا ہے کہ ہم تحقیق کر لیں (سورہ حجرات)۔ اس سے ہمیں یہ تعلیم ملتی ہے کہ بندہ مومن اپنے اقدامات میں ایسی حماقت نہیں کرتا کہ وہ جیسے ہی کوئی بات سنے تو فوراً اقدام کر ڈالے اور یہ جانے ہی نہ کہ اصل بات کیا ہے۔

اس تعلیم سے ہمیں یہ رہنمائی ملتی ہے کہ ہر اس عمل میں ہمیں تحقیق کرنی چاہیے جہاں ہم کسی سے کوئی معاملہ کرنے میں غلطی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ بدگمانی اگرچہ دل میں ہوتی ہے، مگر یہ حقیقت ہے کہ یہ ہمارے تعلقات، رویوں اور لین دین کے معاملات پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ ہم جب کسی کے بارے میں بری رائے بنانے لگیں تو اس کے بارے میں تحقیق کر لیا کریں اور اگر بات کی تہ تک پہنچنے کا موقع نہ ہو تو رائے بھی بری نہ بنایا کریں۔

بدگمانی کے برخلاف عمل

بدگمانی سے بچنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ جب کسی آدمی کے بارے میں آپ کے دل میں برے خیالات پائے جاتے ہیں، تو آپ جب بھی اس سے ملیں، آپ کا رویہ آپ کے خیالات کے الٹ ہونا چاہیے۔ آپ اس سے اچھی رائے رکھنے والے کی طرح ملیں۔ اس سے آپ کو ایک ترفع حاصل ہوگا۔ آپ کی بدگمانی کی حقیقت بے معنی سی ہو کر رہ جائے گی۔ اس سے کبھی کبھار یہ بھی ہوتا ہے کہ آپ کا دل یہ کہتا ہے کہ تم نے ایسے ہی اسے برا بنا رکھا تھا وہ تو اچھا بھلا شریف آدمی ہے۔

نفس کا تزکیہ

اپنے نفس کو ان بیماریوں سے صاف کر کے رکھنا چاہیے، جو اس بدگمانی کا سبب بنتی ہیں۔ مثلاً حسد، تکبر، حقد و کینہ وغیرہ ایسی بیماریاں ہیں، جو مزید بیماریوں کو پیدا کرتی ہیں۔ اس لیے انھیں پورے زور سے اپنے اندر سے کھرچ کھرچ کر صاف کر دینا چاہیے۔

اس کے لیے کسی جادو، چلوں یا عملیات کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ آپ کا اپنا پختہ اور مضبوط فیصلہ ہے جو کسی بھی بیماری کو ختم کر سکتا ہے اور کسی بھی بیماری کو پینے کا موقع دیتا ہے۔ آپ کو پوری قوت ارادی سے یہ فیصلہ کرنا ہے کہ آپ نے یہ کام آج کے بعد سے نہیں کرنا۔ بس یہی نفس کی ہر بیماری کا علاج ہے۔ ایمان کی دولت بھی اسی فیصلے سے حاصل ہوتی اور اسی فیصلے کی پختگی کی بنا پر ہمارے پاس رہتی ہے۔ کہیں اس فیصلے میں ڈھیلا پن آیا وہیں خرابی شروع ہو جائے گی۔

میری بات کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اب آپ سے غلطی نہیں ہوگی۔ ہو سکتا ہے اس فیصلے کے فوراً بعد آپ سے غلطی ہو جائے یہ آپ کے فیصلے کی خلاف ورزی ضرور ہے، مگر اس لغزش کو اگلے مواقع پر پختگی کے حصول کے لیے زینہ بنائیں۔ آپ ان شاء اللہ جلد یا بدیر بہتری کی طرف بڑھنے لگیں گے۔ بہتری کی طرف بڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ کے ذہن میں آپ کا فیصلہ زیادہ متحضر رہنے لگے گا۔ بس یہی وہ چیز ہے، جسے ایمان اور خدا کی یاد کہنا چاہیے۔ جب ایک شخص کو خدا کا خوف یاد رہنے لگے تو وہ تزکیہ کا ایک بڑا سفر طے کر آیا ہے۔ اس نے کہاں بچنا ہے یہی خوف اسے بچائے گا۔ اسے کہاں جھکنا ہے، یہی یاد اسے بھکائے گی۔

اس یاد کو تازہ رکھنے کے لیے قرآن مجید نے دو طرح کی ذمہ داریاں ہم انسانوں کو سونپی ہیں۔ علماء پر انذار اور خبردار کر دینے کی ذمہ داری۔ یعنی ان کی ذمہ داری یہ ہے کہ لوگوں کو آخرت کے بارے میں خبردار کریں۔ انہیں آخرت یاد دلانیں۔ اس ذمہ داری کا دوسرا حصہ تو اوصیٰ بالحق اور تو اوصیٰ بالصبر ہے، یہ ذمہ داری ہم عام لوگوں کی ہے، جو عالم دین پر بھی ہے اسی لیے کہ وہ اپنی علمی زندگی سے باہر ایک عام آدمی بھی ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ دین، اخلاق اور خیر کی وہ معروف و معلوم باتیں جو ساری انسانیت میں مانی ہوئی اور دین اسلام کی جاری کی ہوئی چیزیں ہیں، ان پر آپ ایک دوسرے کو پھسلتے دیکھ کر اور لغزش کے وقت اصلاح کریں۔ یہ وہ تذکیر و نصیحت ہے اگر ہمارے معاشرے میں یا کم از کم ہمارے گھروں میں زندہ عمل بن جائے تو یہ چیز بھی ہمارے تزکیہ میں مدد و معاون ہے۔

دوسری ذمہ داری نماز روزہ کا اہتمام ہے۔ قرآن مجید نے نماز کے بارے میں بتایا ہے کہ اسے میری یاد کے لیے پڑھو۔ اقم الصلاة لذكركی، یہ وہی یاد ہے جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے۔ یہ یاد ہماری زندگی کے سفر میں ایک نگہبان کی طرح ہے جو ہمیں بھٹکنے سے بچاتی ہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے نماز کے بارے میں کہا ہے کہ ان الصلوة تنهی عن الفحشاء والمنکر ”نماز ہمیں منکر اور فحشا سے روکتی ہے۔“

ہم سب انسان ہیں، اور ہم غلطیاں نیت و ارادے سے بھی کرتے ہیں اور تسامح سے بھی۔ نیت اور ارادے کی غلطی قابل مواخذہ ہے۔ جو غلطی نسیان و خطا یعنی تسامح سے ہوئی ہے، وہ قابل معافی ہے۔ ہم آپس میں معاملات کرتے ہوئے اکثر کوئی غلط بات کہہ جاتے یا کر جاتے ہیں، تو جس طرح ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہماری اس غلطی پر ہمیں برا نہ کہا جائے، یہ تو محض غلطی سے ایسا ہوا تھا، اسی طرح ہمیں یہ چاہیے کہ ہم دوسروں کی غلطی پر ان کو ہمیشہ برا قرار نہ دیں۔ بلکہ یہ امکان مانیں کہ اس سے جو غلطی ہوئی ہے وہ بھی تسامح سے ہوئی ہے۔ یہ خیال آپ کے دل میں پیدا ہونے والی بدگمانی کو ختم کر دے گا۔

حسن ظن کی مشق

ہم آپ کو یہ عادت بھی پختہ کر لینی چاہیے کہ اگر ہمارے کسی بھائی کے عمل اور بات کے پیچھے سوشر نظر آرہے ہوں اور بس ایک امکان خیر کا ہو تو ہمیں خیر کو ترجیح دینی چاہیے۔ اس کی ممارست اور مشق کرنی چاہیے۔ ہمیں روزانہ ایسے بیسیوں معاملات پیش آتے ہیں، جن کو ہمارا دل برا محسوس کرتا اور ہم دوسروں کے بارے میں گمان کرنے لگتے ہیں۔ ان مواقع پر ضروری ہے کہ ہم پوری دلی جمعی کے ساتھ ان خیالات کو ذہن سے خارج کریں، اور اگر خارج نہ کر سکتے ہوں تو ان کو اخلاقی طور پر درست رکھیں، تاکہ ہم سے نا انصافی نہ ہو۔ اور ہم اپنے بھائی کے ساتھ حسن سلوک سے محروم نہ ہوں۔ یہ چیز انسان کے لیے اپنے اخلاق کو درست رکھنے کے لیے نہایت ضروری ہے کہ اس کا دل دوسرے کے بارے میں نہایت صاف ہو۔ جو عام طور سے دوسروں کی چغلی و غیبت اور ہمارے برے گمانوں کی وجہ سے صاف نہیں رہتا۔

خلاصہ

قرآن مجید ہم سے مطالبہ کرتا ہے کہ سب مومن بھائی بھائی بن کر رہیں۔ مگر اس مطالبہ میں بداخلاقی کے دوسرے مظاہر کی طرح بدگمانی بھی ایک نہایت موثر رکاوٹ ہے۔

ہم نے یہ جانا ہے کہ سب انسان اچھے ہیں، سب سے غلطی ہوتی ہے۔ کبھی ارادے سے اور کبھی بھول چوک سے۔ ان سب صورتوں میں ہمیں اخلاق کے دائرے میں رہتے ہوئے دوسروں کے بارے میں رائے بنانی ہے۔

اگر ہمارے پاس ثبوت موجود نہ ہوں تو ہمیں رائے بنانے سے گریز کرنا چاہیے۔ اگر ہمارے سامنے بات کا ایک رخ ہو تو دوسرے رخ کو جانے بغیر رائے نہیں بنانی چاہیے۔ اگر ہم اس کے بغیر رائے بنائیں گے تو یہ بدگمانی ہے۔ اور ان کے ساتھ نا انصافی ہے۔

قرآن مجید کے اس مطالبہ کے لیے کہ ہم بھائی بھائی بن کر رہیں ضروری ہے کہ ہمارے اخلاق اچھے ہوں۔ اخلاق پر قائم رہنے کے لیے ضروری ہے کہ ہمارا دل دوسروں کے بارے میں صاف رہے۔ اس سلسلے میں لازم ہے کہ ہم دوسروں کے بارے میں اچھا سوچیں اور جو چیزیں برا سوچنے پر مجبور کر رہی ہوں ان کی غلطی کی حقیقت معلوم کریں، ان کی توجیہ اور پیش کردہ صفائی کو تسلیم کریں۔ یہ سب کچھ ہم اس لیے کریں گے کہ ہم سب پر لازم ہے کہ ہم بھائی بھائی بن کر رہیں۔ یہ رشتہ اس وقت تک وجود میں نہیں آسکتا، جب تک ہمارے دل دوسروں کے بارے میں صاف نہ ہوں۔ یا ہم خود آگے بڑھ کر حالات کی تحقیق کر کے اپنے دل کو صاف نہ کر لیں۔

بدگمانی ہماری اندرونی حالت کی خرابی سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ حسد و کینہ وغیرہ جیسی بیماریوں پر ہمیں نگاہ رکھنی چاہیے اور بیدار آدمی کی طرح ان کا علاج کرنا چاہیے۔ یہ تزکیہ نفس کا ایک اہم حصہ ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اس بات کی مشق کر کے عادت ڈالنی چاہیے کہ ہم ہمیشہ مثبت رخ سے سوچ سکیں۔

دعا

اللہ تعالیٰ ہمیں بدگمانی جیسی اس بیماری سے بچائے۔ ہمیں ایسا انسان بنادے جو شکوک و شبہات کے بجائے یقینی باتوں پر عمل کرتا ہو۔ ہمیں دوسروں کی خیر خواہی کی توفیق دے اور دوسروں کے بارے میں اچھے خیالات کی توفیق دے۔